نشاۃِ ثانیہ کے طویل عمل کا اصل نقطۂ آغاز ان ہی کی ذاتِ گرامی ہے:

مثلاً ایک یہ کہ علمِ فقہ کے میدان میں ایک طرف آپؒ نے "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" تصنیف فرمائی جس سے تقلیدِ جامد اور اجتہادِ مطلق کے مابین اعتدال کی راہ واضح ہوئی اور دوسری طرف "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" ایسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس نے فقہی اختلافات کی اہمیّت کو کم کرنے کے ضمن میں نہایت دور رس نتائج پیدا کیے۔

دوسرے یہ کہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف "حُجۃ اللّٰہِ البالغہ" کے ذریعے آپ نے حکمتِ دین کو ایک باقاعدہ علم کی حیثیت دے دی اور اسلام کے نظامِ عقائد، نظامِ عبادات اور نظامِ معاشرت و معاملات کو ایک مربوط اور منضبط نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ جس کی آنے والے دور میں شدید ترین ضرورت پیش آنے والی تھی ـــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اسلام کا رشتہ اس کی اصلِ ثابت یعنی قرآنِ حکیم کے ساتھ از سرِ نَو قائم کرنے کے طویل عمل کا باقاعدہ آغاز فرما دیا۔ چنانچہ ایک طرف قرآن مجید کے فارسی ترجمے کے ذریعے قرآن کے مطالب و مفاہیم کو عوام تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ اگرچہ اس پر انہیں شدید مخالفت حتیٰ کہ عوامی یورش تک کا سامنا کرنا پڑا۔ اور دوسری طرف "الفوز الکبیر فی اصُول التفسیر" کی تصنیف کے ذریعے علمِ تفسیر کو ایک چیستاں کے بجائے ایک باقاعدہ فن کی حیثیّت سے متعارف کرایا اور درمیانی استعداد تک کے حامل لوگوں کے لیے فہم قرآن کی راہیں آسان کر دیں۔

شاہ صاحبؒ کے جلیل القدر فرزندوں میں سے دو یعنی شاہ عبد القادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن مجید کے بامحاورہ اور لفظی ترجمے کر کے گویا اپنے والدِ مرحوم کے شروع کیے ہوئے کام کو منطقی انتہا تک پہنچا دیا ـــــ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج برِّصغیر پاک و ہند میں علم و فہم قرآن کا جو غلغلہ اور ہمہمہ ہے وہ سب دہلی کے اسی عظیم خانوادے کی مساعی کا نتیجہ نہیں۔

الغرض ویسے تو امام الہند حضرت شاہ ولی اللّٰہ دہلویؒ کا علمی اصلاح و تجدید کا پُورا کارنامہ ہی نہایت رفیع اور قابلِ قدر ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی مساعی کو عالمِ اسلام میں یورپ کی پُوری تحریکِ احیاء العلوم (RENAISSANCE) کا ہم پلّہ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ان کا عظیم ترین

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

منشورِ اسلام

یعنی اسلام کی تشریح ایک ایسے نظریۂ زندگی کی حیثیت سے جو آخر کار لازماً پوری دنیا میں پھیل کر رہے گا

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

یہ (کفار اور مشرکین) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا خواہ یہ بات کافروں کو کتنی ہی بری کیوں نہ لگے

اللہ ہی تو وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق (سچے نظریۂ حیات) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس دینِ حق کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرکوں کو کتنی ہی ناخوشی کیوں نہ ہو۔

سورۂ توبہ آیات ۳۲، ۳۳

© rasailojaraid.com

تعارف

عالمی معاملات میں موجودہ بحران، جس کی وجہ سے تہذیب کی کامل بربادی کا ہی نہیں بلکہ نسل انسانی کی مکمل تباہی کا خطرہ بھی لاحق ہو گیا ہے، نوعِ انسانی کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ اس کا علاج دریافت کرے۔ حال ہی میں انہیں مذہب سے یکایک از سرِ نو دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور وہ اس سوال کا جواب تلاش کر رہے ہیں کہ کیا اگر مذہب کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو وہی انسانوں کے لیے ان خطرات اور مصائب سے محفوظ رہنے کے لیے واحد پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے جو آج ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں؟

دوسری طرف مسلمان ساری دنیا کے سامنے علی الاعلان اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ صرف اسلام ہی وہ نظریۂ حیات ہے جو نسل انسانی کو مستقل اور مکمل طور پر متحد کر سکتا ہے۔ دنیا میں پائدار امن و امان قائم کر سکتا ہے اور انسان کو اس کے ذہنی، اخلاقی، مادی اور روحانی ارتقاء کی اس انتہائی منزل تک پہنچا سکتا ہے جسے پا لینے کی صلاحیت اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

لہٰذا قدرتی طور پر مسلمانوں کے اُوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق کیا ہے؟ اسلام کے دعاوی کی عقلی اور علمی بنیادیں کیا ہیں؟ اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ اور وہ ان اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے کیا ذرائع اختیار کرتا ہے؟

"منشورِ اسلام" انہی سوالوں کے مختصر جوابات پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔

لفظ "مینی فیسٹو" (منشور) عموماً کسی بادشاہ یا مملکت یا منظّم انسانی جماعت کی طرف سے کسی ایسے اعلان کے معنی میں مستعمل ہوتا رہا ہے جس کی رُو سے عوام کو یہ بتانا مقصود ہو کہ ماضی میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے گئے ہیں اور آئندہ جن کارناموں کے انجام دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے، ان کی تفصیلات اور وجوہات کیا ہیں؟ لیکن گذشتہ سو سال سے یعنی جب سے "کمیونسٹ مینی فیسٹو" اشتراکیت کی عالمگیر تبلیغ کے آلہ کار کی حیثیت سے شائع ہوا ہے (جس کے نتیجہ کے طور پر یہ نظریۂ حیات اب فی الواقع دنیا میں ایک عظیم سیاسی طاقت کی شکل میں رونما ہو گیا ہے) اس لفظ کو یہ نیا مفہوم حاصل ہو گیا ہے کہ

وہ ایک ایسے تحریری اعلان پر وکالت کرنے لگا ہے جو عالمگیر قبولیت کی تمنّا رکھنے والے ایک نظریۂ حیات کی تاریخی بنیادوں، اساسی اصُولوں اور متوقع کامیابیوں کی تشریح کرتا ہو۔ میں نے اس لفظ کو اسی مؤخر الذکر معنی میں استعمال کیا ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے بنیادی اصُولوں کی تشریح کی حیثیت سے اس کا موضوع تاریخ کے ایک ایسے نظریہ کی صورت اختیار کرتا ہے جو فطرتِ انسانی کے ایک تصوّر پر مبنی ہے۔ جس کی رُو سے اسلام مستقبل کا وہ آخری اور عالمگیر نظریۂ حیات قرار پاتا ہے جو ناگزیر طور پر دنیا کے کناروں تک پھیل کر رہے گا۔ فطرتِ انسانی کے اس تصوّر کی مرکزی حقیقت یہ ہے کہ کسی نصب العین کی محبت کا جذبہ انسان کے تمام اعمال کی (حتّیٰ کہ اُن اعمال کی بھی جو بظاہر اس کی حیوانی جبلّتوں کے منبع سے سرزد ہوتے ہیں) واحد، حقیقی اور بنیادی قوّتِ محرکہ ہے اور یہ جذبہ ایک ایسے نصب العین کی محبّت سے ہی مکمل اور مستقل طور پر مطمئن ہو سکتا ہے جو منتہائے حسن و کمال ہو۔

یہ حقیقت مارکس کے بنیادی فلسفہ سے ہی متصادم نہیں ہوتی بلکہ فرائڈ، ایڈلر، اور میک ڈوگل کے ان نفسیاتی نظریات سے بھی متصادم ہوتی ہے جن کو عصرِ حاضر میں بالعموم فطرتِ انسانی کے معیاری اور صحیح نظریات سمجھا جاتا ہے۔ اگر منشورِ اسلام کے پڑھنے والے اُن حقائق کو زیادہ تفصیل کے ساتھ جاننا چاہتے ہوں جو ان تمام نظریات کے بالمقابل اس حقیقت کی سچّائی کو (اور اس سے اخذ کیے ہوتے دوسرے فلسفیانہ تصوّرات کی سچائی کو بھی جو اس منشور میں زیرِ بحث آئے ہیں) تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو اُن کو چاہیے کہ میری انگریزی کتاب "مستقبل کا نظریہ حیات" (IDEOLOGY OF THE FUTURE) ملاحظہ فرمائیں (شائع کردہ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور)

محمد رفیع الدّین

اسلام کیا ہے؟

اسلام کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اسلام اس نظریہ حیات کا نام ہے جس کی تعلیم انبیاء کرام علیہم السّلام ابتدائی زمانہ سے دیتے رہے ہیں۔ دنیا کے تمام خطّوں میں بے شمار انبیاء وقتاً فوقتاً

© rasailojaraid.c

ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں تاکہ نوعِ انسانی کے تمام حصوں کو اُن کے زمانہ کے حالات ان کی زندگی کے واقعات اور ان کے ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی ارتقا کے مقامات کے مطابق اس نظریۂ حیات کی تعلیم دیں۔

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ط (۳۵-۲۴)	اور کوئی اُمّت (قوم) ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ط (۴۰-۷۸)	اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیے

ان انبیأ کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ کیا گیا ہے اور چونکہ ان سب کی دعوت بنیادی طور پر یکساں رہی ہے اس لیے ہر نبی نے اپنے پیش رو انبیاء کی صداقت کی گواہی دی ہے اور اپنے بعد آنے والے نبی کے ظہور کی پیش گوئی کی ہے۔ بہرحال چونکہ حضرت محمدؐ کی نظری تعلیم اور عملی زندگی کی مثال میں تمام انبیاء کی دعوت کی نظری تلقین اور انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر (جن میں ان کی زندگی کے عمرانی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی شعبے بھی شامل ہیں) اس کا عملی اطلاق دونوں اپنے کمال کو پہنچ گئے ہیں لہٰذا آپ بجا طور پر آخر الانبیاء قرار پائے ہیں اور "اسلام" کی اصطلاح بھی آپ ہی کی تعلیمات کے لیے جو قرآن اور سنّت کے اندر موجود ہیں مخصوص ہوگئی ہے۔ چونکہ تمام انبیاء کی تعلیم بنیادی طور پر ایک ہی ہے اور اس کا سرچشمہ بھی جو خدا کی ذات ہے ایک ہی ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے کہ جو شخص گذشتہ انبیا میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے وہ سچّا مسلمان نہیں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ	(متقی یعنی سچّے مسلمان) وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپؐ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا (۲-۴)
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی ـــــ اِبْرٰهٖمَ	(مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے اور جو کتاب ہم پر اُتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ط (۲-۱۳۶)

اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو کچھ اور پیغمبروں پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اس پر (ہم ان سب پر ایمان لائے)، ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں۔

اسلام کی روح

اگر تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ لفظ "محبّت" ہے اسلام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ محبّت کریں اور اپنی محبت کو جس قدر زیادہ پاکیزہ یکسو خالص، بے لوث اور صمیم قلب سے صادر ہونے والی بنا سکتے ہیں بنائیں اور پھر ان کی محبّت ایسی ہو کہ وہ ہمیشہ عظیم سے عظیم تر، کمال پاکیزگی اور خلوص کی جانب بڑھتی رہے اور اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی کسی کمی، کمزوری یا مایوسی کے آثار پیدا نہ ہوں۔

اسلام کی ضرورت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبوّت کا ظہور درحقیقت کارخانۂ قدرت میں کسی مقصد کو پورا کرتا ہے؟ کیا انسان کو واقعی اس بات کی ضرورت ہے کہ اسے کامل دائمی اور مخلصانہ محبّت کی تربیت اور ترقی کا وہ طریقہ سکھایا جائے جس کی تعلیم انبیاء دیتے چلے آئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک کامل، پائدار اور مخلصانہ محبّت ——— جو ایک نصب العین کے حصول کی والہانہ شکل اختیار کرتی ہے۔ انسان کی تمام فطری خواہشات میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور سب خواہشات پر غالب آنے والی خواہش ہے، یہی نہیں بلکہ یہ خواہش چونکہ انسان کی تمام دوسری خواہشات کو اپنے تابع رکھتی ہے یوں کہنا چاہیے کہ وہ دراصل اس کی فطرت کی ایک ہی خواہش ہے اور انسان اسی خواہش سے عبارت ہے اور نبوّت کی اہمیت یہ ہے کہ صرف وہی انسان کی اس خواہش کی صحیح، مکمل اور مستقل تشفی

© rasailojaraid.com

کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا نبوّت کا عالمِ فطرت میں ایک خاص مقصد ہی نہیں، بلکہ وہ کارخانۂ قدرت کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے ناگزیر ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط	پس (اے پیغمبر) آپ دین (یعنی توحید اور اس کے
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ	متضمنات) پر یکسوئی سے قائم رہیے یہ (دین) انسان
عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط	کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے تمام انسانوں کو
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ	پیدا کیا ہے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی فطرت میں کوئی
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ط	ردّ و بدل ممکن نہیں (لہٰذا) یہی دین پائدار ہے۔
(۳۰-۳۰)	لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

انسانی فطرت کا تجزیہ، انسان کی طبعی خواہشات کے دو درجے، انسان کی نچلے درجہ کی خواہشات

فطرتِ انسانی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی طبعی خواہشات کے دو درجے ہیں۔

اوّل: وہ خواہشات جو بحیثیت حیوان، انسان کی فطرت سے صادر ہوتی ہیں اور جنہیں انسان کی جبلّتی خواہشات کہا جاتا ہے۔ مثلاً خوراک کی خواہش، جنسی رابطہ کی خواہش۔ مخالف سے مقابلہ کرنے اور راستہ سے ہٹانے کی خواہش۔ ان جبلّتی خواہشات کی امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(ا) یہ خواہشات انسان اور اُن حیوانات میں مشترک ہیں جو درجۂ ارتقاء میں اس سے فروتر ہیں۔ مثلاً گائے، گھوڑا، اونٹ وغیرہ۔

(ب) ان خواہشات میں ایک داخلی حیاتیاتی دباؤ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے حیوان ان کی تسکین کی جستجو پر مجبور ہوتا ہے۔

(ج) ان خواہشات کی تسکین سے ایک خاص قسم کی مسرّت یا آسودگی حاصل ہوتی ہے۔

(د) ان کی تسکین حیوان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی صحت اور اپنی جسمانی نشوونما کو

برقرار اور اپنی زندگی اور نسل کو محفوظ رکھے۔

انسان کی بلند تر درجہ کی خواہشات

دوئم : وہ خواہشات جو بحیثیت انسان، اس کی فطرت سے سرزد ہوتی ہیں۔انکی تفصیل یہ ہے:

(ا) نصب العین کی خواہش۔

(ب) اخلاقی عمل کی خواہش۔

(ج) حصول علم کی خواہش۔

(د) فنی تخلیق کی خواہش۔

ان خواہشات کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(ا) یہ خواہشات انسان کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں دوسرے حیوانات اسکے ساتھ شریک نہیں۔ حیوان اور انسان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک حیوان صرف جانتا ہے، محسوس کرتا ہے اور سوچتا ہے۔لیکن ایک انسان صرف جانتا، محسوس کرتا اور سوچتا ہی نہیں بلکہ جب وہ ایسا کرتا ہے تو یہ بھی جانتا ہے کہ وہ جان رہا ہے محسوس کر رہا ہے اور سوچ رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک حیوان صرف ذی شعور ہوتا ہے مگر ایک انسان خود شعور بھی ہوتا ہے۔یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے حیوان اور انسان کی فطرتوں میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ وہ خواہشات جو انسان سے خاص ہیں اس کی خود شعوری یا خودی کی خواہشات ہیں۔

(ب) ان خواہشات سے کوئی حیاتیاتی اضطرار وابستہ نہیں ہوتا۔بلکہ یہ وہ آزاد خواہشات ہیں جو فقط زندگی کی نفسیاتی سطح سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی تشفی کا راستہ جبلّتوں کی طرح حیاتیاتی اعتبار سے معین نہیں ہوتا۔

(ج) ان میں سے ہر خواہش کی تشفی سے ایک خاص قسم کی مسرّت حاصل ہوتی ہے جو اپنی بہترین اور بلند ترین حالت میں اپنی کیفیّت اور شدّت کے لحاظ سے اس مسرّت سے بدرجہا افضل ہوتی ہے جو انسان کو جبلّتی خواہشات کی تشفی سے حاصل ہوتی ہے۔

(د) جب یہ اپنی بہترین اور بلند ترین صورت میں ہوں تو ان کی تشفی خود ان کی تشفی کی خاطر ہی عمل میں لائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی اور محرک یا مقصود نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

(۵) ان کا مقصد حسن کی جستجو ہوتا ہے۔ مثلاً نصب العین کی محبّت ہی کو لیجیے۔ نصب العین ایک ایسا تصوّر ہوتا ہے جس کی طرف انسان وہ سارا حسن منسوب کرتا ہے جو اس کے خیال میں آسکتا ہے۔ اسی طرح سے اخلاقی فعل یا نیکی حسن کے عملی اظہار کا ایک ذریعہ ہے اور علم کی خواہش درحقیقت صداقت یا سچائی کی خواہش ہے اور صداقت ایک ایسی چیز ہے جسے ہم سراہتے اور پسند کرتے ہیں یعنی جس کی طرف ہم حسن کو منسوب کرتے ہیں اور فن یا آرٹ کسی واسطہ کے ذریعہ سے حسن کے اظہار ہی کا نام ہے۔

آرٹ کی ایک عام قسم

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ فن یا آرٹ اینٹ، پتھر، آواز، صدا، رنگ، لفظ یا حرکت میں حسن کا اظہار ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لہٰذا وہ ایک ایسا مشغلہ سمجھ لیا گیا ہے جس میں صرف وہ چند افراد ہی حصّہ لے سکتے ہیں جنہوں نے اس غرض کے لیے خاص طور پر تربیت حاصل کی ہو یا جن کو اس مشغلہ کے لیے قدرت کی طرف سے ایک خاص ملکہ عطا ہوا ہو۔ لیکن آرٹ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں تمام انسان مساوی طور پر شریک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں اور وہ طرز بود و باش میں حسن کا اظہار ہے مثلاً جب ہم اپنے مکان کے بنانے اور سجانے میں، اپنے لباس میں، اپنی رفتار و گفتار میں، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں، دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے برتاؤ میں، اپنے مادی ماحول کی تخلیق میں اور اپنے تمام کاموں میں ظاہری طور پر حسن کا اظہار کرتے ہیں تو ہم ایک قسم کے آرٹ میں حصّہ لے رہے ہوتے ہیں۔

نصب العین کی خواہش انسان کی تمام دوسری خواہشات پر حکمران ہوتی ہے

نصب العین کی خواہش انسان کی ان تمام خواہشات پر حکومت کرتی ہے جو اس کی زندگی کی نفسیاتی سطح سے تعلّق رکھتی ہیں اور جن کا ذکر معاً اوپر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر ان خواہشات میں سے کوئی اپنی اصلی حالت میں اس بڑی خواہش کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو وہ اس کو بدل کر ان تقاضوں کے مطابق کر لیتی ہے۔ اوپر عرض کیا گیا تھا کہ اپنی اصلی حالت میں ان خواہشات میں سے ہر خواہش صرف اپنی ہی تشفی چاہتی ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد (مثلاً کسی دوسری خواہش کی خدمت یا اعانت) نہیں ہوتا۔ لیکن جب نصب العین پوری طرح سے حسین نہ ہو تو پھر ان میں سے کوئی خواہش بھی اپنی اصلی حالت میں

.com

اس کے مطابق نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں نصب العین کی خواہش ان میں سے ہر ایک کو بدل کر اپنے مطابق کر لیتی ہے اور یہ تبدیلی غیر شعوری طور پر عمل میں آتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان کو بالکل علم نہیں ہوتا کہ اس نے ان خواہشات کو اپنے اصلی راستہ سے ہٹا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نصب العین کے چاہنے والوں کا ضابطہ اخلاق اور علم اور آرٹ الگ ہوتا ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ نصب العین کی خواہش انسان کی نفسیاتی یا جمالیاتی سطح کی خواہشات پر کیوں حکمران ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان وہ سارا حُسن جس کی تمنّا اس کی فطرت کے ایک تقاضا کے طور پر اس کے دل میں ہوتی ہے اپنے نصب العین کی طرف منسُوب کر دیتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ دیکھے کہ اس کی کوئی خواہش اس حُسن کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی تو جب تک وہ اس کو بدل کر اس حسُن کے مطابق نہ کرے وہ اسے نہ جویائے حسُن سمجھ سکتا ہے اور نہ درست۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ نصب العین کی خواہش انسان کی نفسیاتی اور جمالیاتی خواہشات پر ہی نہیں بلکہ اس کی جبلّتی خواہشات پر بھی حکمران ہے۔ ایک حیوان کے لیے ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنی کسی جبلّتی خواہش کے دباؤ کو روک سکے۔ اس کے برعکس انسان اپنی کسی جبلّتی خواہش کی تشفی اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا نصب العین اجازت نہ دے اور وہ اپنی ہر جبلّتی خواہش کی تشفی صرف اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک اس کا نصب العین اجازت دیتا ہو۔ جب ایک انسان کا نصب العین یہ تقاضا کرتا ہو کہ وہ اپنی زندگی کو قائم رکھے، تو وہ اس کو قائم رکھنے کے لیے اپنی جبلّتی خواہشات کی مناسب تشفی کے لیے پوُری کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب نصب العین کا تقاضا یہ ہو کہ انسان اپنی زندگی کو اس کی حفاظت کے لیے قربان کر کے شہید ہو جائے تو وہ جبلّتی خواہشات کی تشفی سے ہی نہیں بلکہ خود زندگی سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اُسے قربان کرنے کے لیے بخوشی آمادہ ہو جاتا ہے یہ وہ حقیقت ہے جو ان لاتعداد واقعات کی تشریح کرتی ہے جو ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے نصب العین کی خاطر یہ جانتے ہوئے زندان میں جانا قبول کر لیا ہے کہ وہاں اُسے اپنی جبلّتی ضروریات کو روکنا یا ترک کرنا پڑے گا یا اُسے سخت قسم کی بدنی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرنے کے سوائے چارہ نہ ہوگا یا فلاں شخص نے نصب العین کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے یا دار پر چڑھنا یا میدان جنگ میں گولی کھا کر مرجانا قبول کر لیا ہے۔

© rasailojaraid.c